اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کی خدمات

شیخ وجیہ الدین احمد علوی ایک خدارسیدہ بزرگ تھے۔ اور صاحب تصنیف بھی۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں ان کا عوام سے واسطہ اور رابطہ رہا۔ انہوں نے شیخ محمد غوث سے معرفت کے فیوض کسب کئے۔ اور مریدوں کی تلقین و تدریس کی۔ شیخ وجیہ الدین کے مریدین نے ان کے ملفوظات کو یکجا کیا جس کا نام بحر الحقائق ہے۔ اس کتاب میں ان کے اقوال مندرج ہیں۔ حالانکہ یہ کتاب فارسی میں لکھی گئی ہے لیکن مرشد کے اقوال بعینہ ہندوی زبان میں ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو اسی زبان میں درس دیا کرتے تھے۔ مثلاً واوین میں ان کا قول 'جس چیز میں ذوق و شوق پاوے اسے ترک نہ دیوے'' یا ''جیسی تجلی پکڑے تیسا ارادہ دیوے اگر عبد کی تجلی پکڑے عبدیت ارادہ دیوے'' وغیرہ۔

اکبر و جہانگیر کے عہد کے ایک بزرگ شیخ بہاء الدین برناوی خاتم التارکین ایک ایسے بزرگ تھے جو موسیقی سے لگاؤ اور اس فن میں مہارت رکھتے تھے۔ اور شعر گوئی سے تعلق رکھا۔

ان نینن کا یہی بسیکہ ہوں تجھ دیکھوں توں منجھ دیکھ

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی کے اقوال ان کے شاگرد رشید شاہ مراد ابن سیدی جلال نے کتابی صورت میں جمع کئے۔ اس کتاب کا نام مقصود المراد ہے۔ اس کتاب میں سید شاہ کے ہندی اقوال درج ہیں۔ سید شاہ ہاشم حسنی العلوی شعر گوئی سے بھی شوق رکھتے تھے۔ اس کتاب میں ان سے منسوب نظمیں بھی شامل ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کو فروغ دینے میں ان کا بھی کردار رہا ہے۔ ان کے کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:

ہاشم جی چھولا ل لہر پیویں وحدت کے بحر
ہوویں متوالے سحر دنی جوں قاتل زہر

انما الاعمال بالنیات
نہیں عمل مگر نیت سوں بات
جو ا یسی نیت دیوے ہات
نولاسیاں کھیلوں شہ کے سات

شاہ میراں جی شمس العشاق کا نام اردو کی نشوونما میں اہمیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ان کا تعلق دکن سے رہا۔ حالانکہ

میراں جی کی جائے پیدائش مکہ معظّمہ ہے۔ بعدازاں ملک ہندوستان تشریف لائے اور بیجاپور میں سکونت پذیر ہوئے۔ شاہ کمال الدین مجرد بیابانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کا سلسلہ ارادت حضرت سید محمد حسینی گیسودراز سے جاملتا ہے۔ کیوں کہ مجرد بیابانی نے شاہ جمال الدین مغربی سے بیعت کی تھی اور وہ محمد حسینی گیسودراز سے بیعت تھے۔ دکن میں گیسودراز کے فیوض وبرکات کا ایک وسیع حلقہ تھا۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں کہ یہ کچھ کم کرامات نہیں کہ ایک شخص جو مکے میں پیدا ہوا ہندوستان میں آکر یہیں کی زبان میں تعلیم وتلقین کرتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ شاہ میراں جی نے اس زبان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ ان کا لکھنا پڑھنا اسی ہندی یعنی اردو زبان میں تھا۔ ان کے ہندوستان آمد کے سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ ملتا ہے جو انہوں نے خود لکھا ہے کہ مکہ سے جب وہ مدینہ شریف زیارت کی غرض سے گئے اور بارہ سال وہاں رہے تو ایک رات خواب میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور انہیں ہندوستان جانے کا حکم ہوا۔ میراں جی نے ہندوستانی زبان سے واقف نہیں ہونے کا سبب بیان کیا۔ لیکن انہیں ارشاد ہوا کہ تمام زبان تمہارے لئے جانی پہچانی ہوگی۔ اس طرح میراں جی نے اسی ہندوستانی زبان کو اپنی زبان سمجھا اور تمام تصانیف اسی زبان میں چھوڑیں۔ اس وقت یہ زبان شمال اور جنوب کے تمام علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی تھی اور بزرگان دین بھی اس میں معرفت الٰہی کے درس دیتے تھے اور مریدین اسی زبان میں کسب علم کرتے ہوئے سلوک ومعرفت کے منازل طے کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زبان میں تصوف اور وحدانیت پر مبنی کئی رسالے اور تصنیفات ملتی ہیں۔ بزرگوں کا اس زبان کو اپنانا اور اس میں درس وتدریس کے ساتھ تصنیف کا فریضہ انجام دینا اس زبان کے لئے بارآور ثابت ہوا۔ اور وہ زبان جو ایک گری پڑی اور گلی کوچے کی زبان تھی رفتہ رفتہ ترقی کے زینے طے کرنے لگی۔ بہرکیف میراں جی نے جو خاندان آباد کیا اس نے بھی اردو کی نشوونما میں بڑا کارنامہ انجام دیا۔ ان کے خاندان میں کئی بزرگ ہوئے جنہوں نے تبلیغ دین کا کام اس زبان میں کیا۔ ان کے مریدین نے بھی اپنے مرشد کی پیروی کرتے ہوئے اس زبان کو سینے سے لگایا اور تصنیف وتالیف کی۔ میراں جی اور ان کے خاندان کے بزرگوں کے کلام کو قلمی بیاض کی صورت میں جمع کیا۔ اس میں میراں جی کی نظمیں بھی شامل ہیں۔ انہوں نے اپنے پیرومرشد کی شان میں بھی نظم کہی ہے۔ یہ اشعار اس بات کی دلیل وشاہد ہیں۔

اس کمالیت کا سنگ　　اس خاندان کا رنگ
ان گمائے اپنا حال　　تو ہوئے پیر کمال
کچھ تھے نصیب میرے　　پگ دیکھے تو ان کیرے

میراں جی نے ذات باری تعالیٰ میں حمدیہ کلام بھی پیش کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمان　　الرحیم توسبحان
یہ سب عالم تیرا　　رزاق سبھوں کیرا
تجھ بن اور نکوئے　　تا خالق دوجا ہوئے

جے تیرا ہوئے کرم　　تو ٹوٹے سبھی بھرم
اس کارن تجھ کو دھاؤں　　اور تیرا نام لیوں
ہے تیرا انت نہ پار　　کس موکھوں کروں اچار
جو تیرا امر جانے　　اس نہی کو نہ مانے

اس کتاب 'شہادۃ التحقیق' میں حمد و نعت کے بعد معرفت کے حقائق بھی بیان کئے گئے ہیں۔ میراں جی کا رسالہ 'خوش نامہ' بھی منظوم ہے۔ اس رسالے میں تصوف کی باتیں مجاز کے پردے میں کہی گئی ہیں۔ ایک مشہور نغمہ ہے

وہ دنیا بابل کا گھر یہ دنیا سسرال
جا کے بابل سے نظریں ملاؤں کیسے
لاگا چنری میں داغ دکھاؤں کیسے

قدیم شعری روایت میں اس طرح کی مثالیں ملتی ہیں کہ آخرت کو بابل کا گھر یعنی میکہ اور اس فانی دنیا کو سسرال کہا جاتا ہے۔ اور اس مناسبت سے دیگر باتوں کا بھی ذکر ہوتا رہا ہے۔ ایسے میں ایک لڑکی دلہن بھی فرض کر لی جاتی ہے اور اس کی سیرت و پاکیزگی اور اس کے بناؤ سنگھار کا بھی اس کے انسلاکات کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں الفاظ ظاہری معنی ترک کر کے غیر لغوی معنی کا لباس زیب تن کر لیتے ہیں۔ میراں جی کی کتاب 'خوش نامہ' اسی نوعیت کی کتاب ہے جس میں ایک 'خوش' نامی لڑکی کی سیرت، اس کے رہن سہن، اور اس کے سگھڑ پن کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی لڑکی ہے جسے دنیاوی آرائش و زیبائش سے غرض نہیں۔ وہ بناؤ سنگھار نہیں کرتی کیوں کہ اس کے دل میں خدا کی یاد بسی ہوئی ہے اور صبغۃ اللہ میں رنگی ہوئی ہے۔

کبھی نہ رنگی میدھی رنگوں پھولوں باس نہ آیا
رنگ نہ رنگیا دنتوں اس کے بھینی نہ ہلدوں کایا
کہے منجھ سیر سہاگ اللہ کا چھڑ رہیا سہاوا
اب کیوں سر سہاوے دو جاتم کو ناہیں ٹھاوا

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میراں جی شمس العشاق نے اردو زبان جو اس وقت ہندی یا ہندوی کہلاتی تھی، سے گہرا تعلق رکھا اور وقیع ادبی سرمایہ چھوڑا ہے۔ صوفیا کی یہ کوششیں اردو زبان کو ایک شجر ثمر دار بنانے میں نمایاں اہمیت رکھتی ہیں۔ ان بزرگوں نے ایک باغباں کی طرح نہال اردو کو تناور درخت بنانے میں اپنے خون جگر سے آبیاری کی ہے جنہیں اہل اردو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ (جاری)

ڈاکٹر توقیر عالم توقیر
اسسٹنٹ پروفیسر، مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی، پٹنہ